اُردو شاعری میں طنز و مزاح کی روایت (شمالی ہند تا اکبر الہ آبادی)

شبنم نیاز، شعبۂ اُردو، لاہور کالج یونیورسٹی، لاہور

Abstract

Humar and satire has a very srong relationship with the society and the human nature similarly,humar and satire has a deep association and amalgam with litrature",Urdu litrature also has a deep roots with literature alike world literature.This article deals and discuses humour and satire from the course of North Hind to Akbar Ala Abadi; its begining and emergence.These are the two very authentic and pivotal references;Without which humar and satire cant be understood in contemporary Urdu poetry.

طنز و مزاح کا انسانی مزاج اور معاشرے سے بہت گہرا تعلق ہے جب کائنات کے پہلے انسان کو رونے سے شناسائی ہوئی تو ہنسی نے بھی وہیں جنم لیا تھا۔انسان کے کان رونے کے ساتھ ہنسی سے ایک ساتھ آشنا ہوئے۔الفاظ اور احساسات جن میں خوشی، غم، حیرت، غصہ، تعصب سبھی کچھ شامل ہے ایک ساتھ ہی معرض وجود میں آئے۔الفاظ نے نثر اور شاعری کا پیرہن پہنا تو اس پیرہن کی بنت میں انسانی احساسات کا ہر رنگ شامل تھا۔یہ رنگ تلخ بھی تھا، شیریں بھی، ترش بھی تھا، نمکین بھی، میٹھا بھی تھا، کھٹا بھی۔غرض یہ کہ اس میں انسانی فطرت کے سبھی رنگ و آہنگ موجود تھے۔اس لیے یہ کہنا کہ اُردو شعری ادب میں طنز و مزاح کب سے ہیں، کہاں سے آئے، کب پروان چڑھے بہت مشکل ہے۔اُردو شعری ادب کے ارتقا کا جائزہ لیا جائے تو طنز اور مزاح اپنی تمام توانائیوں کے ساتھ ہر صنف میں نظر آتے ہیں۔اُردو شاعری میں بھی طنز و مزاح کے تمام عناصر ملتے ہیں۔اُردو زبان میں طنز اور مزاح کا آغاز نظم سے ہوا۔ بقول فرقت کاکوروی:

> ''اُردو ادب میں ظرافت کا آغاز مثل دُنیا کی دوسری زبانوں کے نظم سے ہی ہوا اور عروس ادب کے گلے میں سب سے پہلے شوخی اور شگفتگی کی مالا مشاطہ نظم ہی نے ڈالی۔'' [۱]

اس ضمن میں ملی جلی آراء بھی ملتی ہیں۔کچھ محققین اور ناقدین کے خیال میں طنز و مزاح کا آغاز ایک ساتھ ہوا اس سلسلے میں ڈاکٹر رؤف پاریکھ لکھتے ہیں:

> ''دُنیا کی بیشتر زبانوں کا آغاز شاعری سے ہوا۔اُردو بھی اس سے مستثنیٰ نہیں۔اُردو میں بھی شعری روایت نثر کے مقابلے میں قدیم تر ہے۔ابتدائی دور کی شاعری میں موضوع اور ہیئت کے لحاظ سے مختلف نوعیت کے نمونے مل جاتے ہیں۔لہٰذا بظاہر تو لگتا ہے کہ اُردو میں مزاح کا آغاز شاعری سے ہی

ہوا ہوگا لیکن قوی امکان ہی ہے کہ اُردو میں مزاح کا آغاز نظم سے ہونے کی بجائے نظم ونثر دونوں میں بیک وقت ہوا''۲

شمالی ہند اور جنوبی ہند کی شاعری میں ابتدا ہی سے طنز ومزاح کے عناصر ملتے ہیں۔داستانیں بھی اس کے اثرات سے خالی نہیں۔ ہندوستان کے ادب پر طائرانہ نگاہ ڈالی جائے تو بہمنی دور، عادل شاہی دور اور قطب شاہی دور کے سنجیدہ اور مذہبی رجحانات کے باوجود بہت سے ایسے شاعر نظر آتے ہیں جن کی شاعری میں طنز ومزاح کے عناصر ملتے ہیں اردو ادب میں مزاح کے ابتدائی نمونے فارسی کے تتبع میں ملتے ہیں۔ شاعری میں واعظ، ناصح، رقیب اور شیخ و زاہد کے کرداروں پر کیے جانے والے اعتراضات کی صورت میں طنز ابتدا ہی سے ملتا ہے۔صنف شاعری میں ہجو نگاری، واسوخت، ریختی اور شہر آشوب میں طنز کا جیسا انداز فارسی میں موجود تھا ویسا ہی طنز اردو شاعری میں موجود تھا۔شمالی ہند کی اردو شاعری کے آغاز میں طنز اور مزاح کے نمونے مل جاتے ہیں۔علاء الدین اور تغلق کے زمانے میں لوگوں کی نقل مکانی میں تہذیب، تمدن، زبان اور رسم و رواج بھی ہجرت کرتے رہے لہذا دو تہذیبوں کے ٹکراو سے زبانیں ایک دوسرے میں مدغم ہوئیں اور ساتھ ہی مزاح اور موضوعات بھی پروان چڑھے۔

اُردو شاعری کا باقاعدہ آغاز جنوبی ہند سے ہوا اسی طرح شمالی ہند کو لسانی اعتبار سے بہت اہمیت حاصل ہے جہاں اُردو زبان کے تعمیر وترقی کے سلسلے میں امیر خسرو جیسے بڑے شاعر کا نام ملتا ہے۔مسعود سعد سلمان سے بابا گرو نانک تک کا عہد شمالی ہند میں لسانی ترویج وتشکیل کا عہد ہے۔اُردو کے پہلے صاحب دیوان شاعر مسعود سعد سلمان کا کلام دستیاب نہیں مگر گمان غالب ہے کہ ان کے یہاں طنز ومزاح کے نمونے ضرور ہوں گے۔حضرت بابا فرید الدین گنج شکر کے کلام میں کہیں کہیں طنز ومزاح کی رو ملتی ہے۔ان کے کلام میں زیادہ تر صوفیانہ عقائد اور مذہب زیر بحث لایا گیا ہے۔اس عہد میں ظرافت کے حوالے سے اور لسانی تجربوں کے حوالے سے امیر خسرو کا نام سب سے معتبر ہے امیر خسرو طنزیہ ومزاحیہ شاعری کے اہم سنگ میل کی حیثیت رکھتے ہیں، انہوں نے ہندی اور فارسی الفاظ کو ملا کر جو شاعری کی اس میں طنز اور مزاح کے کئی نمونے ملتے ہیں، ان کی غزلوں، پہیلیوں، قطعوں، کہہ مکرنیوں، فردیات اور گیتوں میں بڑا دلچسپ مزاح موجود ہے۔ لکھتے ہیں:

ہے وہ ناری سندر نار — نار نہیں پر ہے وہ نار
دور سے سب کو چھب دکھلاوے — ہاتھ کسی کے کبھی نہ آوے ۳

ان کے اشعار میں اس دور کے کئی سماجی رنگ بھی ملتے ہیں۔امیر خسرو، بابا گرونانک اور کبیر داس کے ہاں ظرافت کے رنگ ملتے ہیں۔ان کی شاعری مذہبی اشلوکوں پر مبنی ہے شاعری کا موضوع دنیا کی بے ثباتی ہے جس کو طنزیہ پیرائے میں بیان کرتے ہیں۔ بابا گرونانک پر کبیر داس کی تعلیمات کا رنگ بہت گہرا ہے۔ لکھتے ہیں:

نانک دُنیا کیسی ہوئی — سالک مت نہ رہیو کوئی
بھائی بندھی ھیت چکایا — دُنیا کارن دین گنوایا ۴

ان کے کلام میں ظرافت کی ہلکی گہری رو اکثر ملتی ہے۔ان کا طنز نہایت بااثر، موثر اور بامعنی ہوتا تھا۔اس دور میں ہونے والی شاعری میں تہذیب وثقافت کی رنگ آمیزی اور زبانوں کے امتزاج سے سنورنے والی دلچسپ شاعری ملتی ہے۔سلاطین دہلی

کے بعد مغلوں کا دور آیا۔مغل بادشاہ ترکی اور فارسی زبان پر دسترس رکھتے تھے۔درباروں میں شعرا کی حوصلہ افزائی اور شاعری میں نئے تجربات نے آغاز میں طنز اور مزاح کے راستے ہموار کیے۔اکبر کے دور میں فنون لطیفہ کو بہت ترقی حاصل ہوئی۔اکبر کے دربار میں بیرم خان، خان خاناں عبدالرحیم خان خاصے ظریف طبع شاعر تھے۔عبدالرحیم نے نہایت پرلطف دوہے لکھے جن میں ہلکے طنز کی آمیزش ملتی ہے۔دربار اکبری کے ایک اور شاعر ملّا دو پیازہ بھی طنز اور مزاح کے حامل اشعار کہا کرتے۔جہانگیر کے عہد میں خا کی نے اُردو شاعری میں طنز اور مزاح کے جوہر دکھائے۔

شمالی ہند میں قطب شاہ کے عہد میں بھی کئی شعرا ہیں جن کے کلام میں طنز، رمز اور بذلہ سنجی کے عناصر ملتے ہیں۔دکنی صوفیا کرام کی صوفیانہ شاعری بھی گہرے مزاح کی حامل تھی۔صوفیا کرام میں خواجہ بندہ نواز گیسودراز، سیّد اکبر حسینی، برہان الدین جانم اور شاہ اشرف بیابانی وغیرہ کے کلام میں ظرافت کی جھلکیاں ملتی ہیں۔قطب شاہی بادشاہوں اور ان کے درباری شعرا کی شاعری کے دامن میں بھی مزاح، ظرافت اور طنز پائے جاتے ہیں۔سیّد میراں ہاشمی، غواصی، میر غلام علی آزاد کے کلام میں بھی طنز اور مزاح ملتا ہے۔دکن میں طنز اور مزاح کی افزائش کے لیے ماحول بھی سازگار تھا۔اس لیے سنجیدہ شاعری میں بھی ذو معنویت، رمز اور بذلہ سنجی ملتی ہے۔

اُردو شاعری میں طنز اور مزاح کو معنویت عطا کرنے والے شاعر میر جعفر زٹلی کا نام ظرافت کی روایت کا ایک درخشاں نام ہے۔جعفر کے نام کے ساتھ ہی ظرافت کے ایک نئے دبستان کا آغاز ہوجاتا ہے جو جعفر سے ولی اور ولی سے سراج تک پہنچا اور پھر رکا نہیں۔میرزا جعفر زٹلی اُردو زبان کے پہلے مزاحیہ شاعری کی حیثیت سے مشہور ہیں۔ان کی شاعری رمز، بذلہ سنجی اور طنز کا ایسا مجموعہ تھی جس کی مثال ان کے عہد میں نہیں ملتی۔انہوں نے اپنے اشعار میں ہندی الفاظ کے ساتھ اُردو کی آمیزش کی ہے۔لکھتے ہیں:

ے　نہ بولے راستی کوئی عمر سب جھوٹ میں کھوئی　　اتاری شرم کی لوئی عجب یہ وقت آیا ہے
دغل کرتے پھریں دغلی چغل کرتے پھریں چغلی　　شغل کرتے پھریں شغلی عجب یہ وقت آیا ہے　۵

جعفر کے کلام میں سماجی شعور کا رنگ بڑا گہرا ہے۔ان کا سارا کلام محض ہجو، ہزلیات اور فحش ہی نہیں ہے بلکہ اس میں اس عہد کے حالات کی تمام کیفیات بھی ملتی ہیں۔ولی دکنی ایک غزل گو شاعر تھے۔انہوں نے مثنویاں اور قصیدے لکھے۔ہر بڑے شاعر کی طرح ولی کے دیوان میں بھی بہت سے رنگ موجود ہیں۔ولی کا کلام زیادہ تر سنجیدگی اور متانت سے بھرپور ہے مگر ان کے کلام میں شوخی، طنز اور مزاح کے حامل اشعار بھی کثرت سے ملتے ہیں۔ولی کے ہاں طنز بھی وافر مقدار میں ملتا ہے اور ان کے کلام میں مزاح کی چاشنی کی بھی کوئی کمی نہیں۔ان کے اشعار سادگی، سلاست اور گہرے طنز کے عمدہ نمونے ہیں۔لطیف طنز کی مثال دیکھیے:

ے　حقیقت سے تیری مدت سے ہم واقف ہیں اے زاہد　　عبث ہم پختہ مغزوں سے نہ کر اظہار خامی کا　۶

ولی کے بعد سراج اورنگ آبادی، خان آرزو، میرزا رفیع سودا، جرأت، انشا رنگین اور نظیر کے ہاں بذلہ سنجی، مزاح اور شوخی کے نمونے بکثرت ملتے ہیں۔ان میں سودا، جرأت اور نظیر کے ہاں خصوصیت سے مزاح کی بالیدگی، شوخی مٹھاس اور طنز کی چٹکیاں نمایاں ہیں۔ولی کے دیوان کی اثر انگیزی کے بعد ایک لہر ایہام گوئی کی بھی اٹھی تھی جس میں شاہ حاتم ایک دبستان کی

حیثیت رکھتے تھے۔حاتم کے دیوان میں کئی اشعار بہت دلچسپ اور تیکھے ہیں ایک جگہ شیخ کے روایتی کردار پر مزاح کے خوبصورت پیرائے میں طنز کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

؎ رہین شراب خانہ کیا شیخ حیف ہے　　جو پیرہن بنایا تھا احرام کے لیے ۷

یہ دور طنز اور مزاح کے اعتبار سے کوئی خاص اہمیت نہیں رکھتا مگر اس عہد میں کی جانے والی شاعری کی نمایاں خوبیوں میں شوخی ایک خاص عنصر تھا۔کلام میں دلچسپی ،ذومعنویت اور مزاح کے رنگ بہت گہرے تھے۔ ایہام گو شعرا کے ہاں مسرور کر دینے والی تشبیہات ،عشق کے معاملات کا کھلم کھلا بیان اور جذبات کی کیفیات کا اظہار ملتا ہے۔اس شاعری کو پر لطف بنانے کے لیے انہوں نے طنز اور مزاح کے تمام حربوں کو استعمال کیا ہے۔

محمد شاکر ناجی بھی ایہام گوئی کی طرف مائل تھے مگر ان کا کلام زیادہ دلچسپ اور پر مزاح ہے ان کی شاعری میں زندگی کو سنجیدگی سے دیکھنے کا رجحان نہیں ملتا بلکہ اس میں رنگارنگی ،موج میلہ اور دنیا سے لطف اندوز ہونے کا رویہ ملتا ہے ۔ان کے کلام میں مزاح ،طنز اور شوخی کے ساتھ اعلیٰ درجے کا رمز بھی ملتا ہے ۔ لکھتے ہیں:

؎ ان کے رخسار دیکھ جیتا ہوں　　عارضی میری زندگانی ہے ۸

یکرو اور یکرنگ کی شاعری میں بھی دلچسپ مثالیں ملتی ہیں اسی عہد میں میرزا سلیمان شکوہ،عبدالحئی تاباں، سعادت یار خاں رنگین، شیخ محمد امان نثار، بقاء اللہ بقاء اور میر محمدی بیدار جیسے شعرا بھی موجود تھے ان شعرا کے ہاں زاہد پر طنز ناصح سے چھیڑ چھاڑ، محبوب سے شرارت اور شوخی کے مضامین کو برتا گیا ہے۔حالات وواقعات اور عہد کے تقاضوں کے مطابق ظرافت کی جھلکیاں اور طنز کی کاٹ سب کے ہاں نمایاں ہیں۔آبرو اور جان جاناں کی نوک جھونک اور ہجویات مزاح کے عناصر سے خالی نہیں۔

میر تقی میر ایک سنجیدہ غزل گو کی حیثیت رکھتے ہیں مگر ان کے ہاں طنز اور لوازمۂ طنز کی کثرت ہے۔ان کے کلام میں شوخی،طنز،بذلہ سنجی،رمز اور مزاح ہر ایک کی مثال بکثرت موجود ہے۔میر اپنی لکھی ہجویات،شہر آشوب اور قصائد میں بھی طنز اور لطیف چوٹیں کرتے بھی دکھائی دیتے ہیں۔اس ضمن میں ان کی ایک مثنوی 'در ہجو اکول' ایک پر لطف طنز اور مزاحیہ ہجو کی بہترین مثال ہے۔مثال ملاحظہ کیجیے:

؎ اک ہے پر خور آشنائے پیر　　سینہ سوراخ جس سے گیر کف گیر
عقل باور اگرچہ کرتی نہیں　　وہ مرے بھوک اس کی مرتی نہیں
بھوکے اس کا جو جی نکل جائے　　گور میں بھی کفن نگل جائے ۹

میر کی اس سادگی میں بھی حد درجہ پرکاری اور معنی خیزی ہے۔ان کے نمونہ کلام سے اس عہد میں طنزیہ ومزاحیہ شاعری کے رجحان کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔سودا جیسے شاعر بھی ہجویات میں طنز اور مزاح کے حوالے سے بہت اہم ہیں۔سودا نہایت ذہین طنز نگار اور شوخ مزاح نگار تھے ان کی ظرافت میں کسی کو کلام نہیں۔ساری کلیات میں طنز اور اعلیٰ درجے کا مزاح پایا جاتا ہے۔سودا کی بذلہ سنجی، ذومعنویت اور طنز کے انداز ذیل کے اشعار میں ملاحظہ کیجیے:

؎ یہ کہا شیخ نے شیطان سے کہ آ ہم سے مل　　آشنا مت ہو تو سودا سے خراباتی کا
کہا اس نے کہ ہے میر تو سعادت اس میں　　لیک ہے خوف مجھے آپ کی بد ذاتی کا ۱۰

مصحفی بھی اس دور کے اہم شاعر ہیں۔ان کی کلیات میں بھی شوخی وظرافت اورطنزومزاح کا بڑا ذخیرہ موجود ہے۔ خاص طور پر ریختی اور پھبتی کی بہت سی مثالیں ہیں۔میر حسن دہلوی کی ہجویات میں بھی طنز کی فروانی ملتی ہے۔میر حسن کے کلام سے شوخی کی ایک مثال ملاحظہ کیجیے:

؎ وصل ہوتا ہے جن کو دُنیا میں یا ربّ ایسے بھی لوگ ہوتے ہیں ۱۱

انشاء اللہ خاں انشاء نہایت باکمال مزاح نگار تھے۔ان کے ہاں طنز کی بالیدگی نمایاں ہے۔انہوں نے اپنے کلام میں ظرافت کے جوہر دکھائے ہیں۔رنگین نے ریختی میں طنزیہ اور مزاحیہ شاعری کو فروغ دیا۔ان کے ہاں بذلہ سنجی، مزاح نگاری اور شیریں کلام کی کمی نہیں ہے۔جرأت بھی اس عہد کے نمایاں اور ممتاز شاعر ہیں۔انہوں نے بھی اپنے کلام کو رمز، ذومعنویت، مزاح اور شوخی کی آمیزش سے پرلطف بنا کر پیش کیا۔جرأت کی کلیات میں ویسے تو خالص روایتی عاشقانہ غزلیات موجود ہیں مگر طبیعت کی تیزی اور شوخی کے رنگ ان کے تمام کلام پر چھائے ہوئے ہیں۔محبوب کے ساتھ معاملات کو شعروں میں مزاح کے رنگ میں پیش کرنے میں جرأت کمال رکھتے ہیں۔لکھتے ہیں:

؎ میری نعش پر اس کو مت لائیو عزیزو وہ ہے طفل ڈر جائے گا ۱۲

اس عہد میں کم ترین، رسوا، احسن اور بہت سے ایسے شعرا موجود تھے جو خالص مزاح نگار تھے۔ان میں سے کچھ نے ہجویات میں طنز کی نشتر زنی کی، کسی نے مثنویات اور قصائد میں بذلہ سنجی کے نمونے چھوڑے اور کسی نے مزاح سے اپنے کلام کو سجایا، کم وبیش ہر بڑے شاعر کے علاوہ تمام شعرانے اپنی سنجیدہ شاعری میں طنز اور مزاح کے عناصر کو برتا ہے۔فارسی شاعری کے زیر اثر ہمیں ہندوستانی شعرا کے ہاں معاصرانہ چشمکیں بھی دکھائی دیتی ہیں اُردو کا پہلا لسانی معرکہ حاتم کے دور میں شروع ہوا۔حاتم وآبرو کے معاصرین میں بھی قلمی محاذ آرائی جاری رہتی تھی۔اُردو کے ابتدائی شعرا میں سراج الدین خاں آرزو اور شیخ محمد حزیں کے یہاں بھی معاصرانہ چشمک کے رنگ ملتے ہیں۔بعد ازاں یہ رویہ ہمیں اس زمانے کے تقریباً ہر شاعر کے ہاں نظر آتا ہے۔شمالی ہند میں ولی دکنی کی وساطت سے اُردو سنجیدہ وطنزیہ شاعری کا چرچا ہوا تو ولی کو بھی معاصرانہ چشمکوں کا سامنا تھا۔

شاہ ناصر مبتلا اور فراقی وغیرہ کی ولی سے نوک جھونک رہتی تھی۔درد اور جرأت کے درمیان بھی یہ معرکہ آرائی چلتی رہتی تھی۔ درد کے شاگرد میرزا علی تقی محشر اور جرأت کے شاگرد میرزا علی مہلت کے درمیان یہ معرکہ سنگین صورت اختیار کر گیا۔ان معرکوں میں رکاکت اور ابتذال بھی تھا جو اخلاقی زوال کی بدترین صورت تھی ۔ دہلی میں میر وسودا کی معرکہ آرائیاں اُردو تاریخ کی قبیح ترین صورت پیش کرتی ہیں۔مصحفی اور انشاء آتش وناسخ کے معرکے بھی طنزیات ومضحکات کے حوالے سے بہت اہم ہیں۔اس دور میں مزاح نگار شعرا کے ساتھ ہمیں کچھ خواتین مزاح نگار بھی ملتی ہیں۔جنہوں نے ظریفانہ شاعری میں خواتین کی نمائندگی کی۔انہوں نے خاص طور پر ریختی میں طبع آزمائی کی۔ان کی ریختی میں ابتذال فحش گوئی اور پھکڑ پن مزاح کی نسبت زیادہ ہے۔کلام میں طنز کا رنگ مدہم اور تعلیٰ کا رنگ زیادہ گہرا ہے اور اس تعلیٰ میں خود پسندی کا عنصر نمایاں ہے دیگر کلام کی نسبت ریختی میں طنز اور مزاح کے عناصر نظر آتے ہیں۔مہ لقا چندا بائی دکن کی مشہور شاعرہ تھیں ان کے کلام میں شوخی اور مزاح کی جھلک پائی جاتی ہے:

؎ ان کو آنکھیں دکھادے ٹک ساقی چاہتے ہیں جو بار بار شراب ۱۳

شاہ حاتم سے لے کر رنگین تک اور رنگین کے بعد ناسخ ،شاہ نصیر،مومن ،ذوق ،غالب ،میر عطاء اللہ عطا ، حافظ میاں غلام رسول،آتش اور چرکین وہ نام ہیں جنھوں نے اپنے اپنے کلام میں طنز اور مزاح کے جوہر دکھائے ان سنجیدہ لکھنے والوں کے علاوہ خالص ظریفانہ شاعری کرنے والوں کی اچھی خاصی تعداد موجود ہے۔ان میں ریختی گو شعرا کی تعداد بہت زیادہ ہے۔

جعفر زٹلی کے بعد نظیر اکبر آبادی ظریفانہ شاعری کے اہم نمائندے کی حیثیت سے ہمارے سامنے آتے ہیں۔نظیر کے یہاں طنز اور مزاح کے ساتھ فکر کی گہرائی بھی موجود ہے اس کے ساتھ بذلہ سنجی ان کے کلام کا اہم وصف بھی ہے اور ان کے عہد کا تقاضا بھی نظیر نے یہ انداز ایک خاص مقصد کے تحت اختیار کیا۔ان کی شاعری محض طنز اور مزاح نہیں بلکہ زندگی کا فلسفیانہ اور ظریفانہ تبصرہ ہے۔نظیر اُردو کے پہلے شاعر ہیں جنھوں نے طنز اور مزاح میں توازن قائم کیا۔ان کے ہاں خالص مزاح اور طنز لطیف کے امتزاج سے بنی ہوئی ظریفانہ شاعری ملتی ہے۔طنز،شوخی اور لطیف مزاح کی بڑی عمدہ مثال اس شعر میں ملاحظہ کیجیے:

؎ کل شب وصل میں کیا جلد گئی تھیں گھڑیاں آج کیا مر گئے گھڑیال بجانے والے ۱۴

یہ عہد اُردو کے ناموراور مستند شعرا کے حوالے سے بڑا اہم ہے اس عہد میں خواجہ حیدر علی آتش ،امام بخش ناسخ ،شاہ نصیر، ابراہیم ذوق ،مومن اور غالب جیسے نابغہ بھی طنز ومزاح کے میدان کے شہسوار نظر آتے ہیں۔اس کی بڑی وجہ اس عہد کی شاعری میں واردات عشق کا پرلطف اور دلچسپ پیرایہ بیان ہے۔جس میں رمز،تہہ داری ،کنایہ استعاراتی انداز اور شوخ چٹکیوں سے کلام کو موثر اور دلچسپ بنا کر پیش کرنے کا رجحان نمایاں نظر آتا ہے۔آتش، ناسخ، ذوق اور مومن کے ہاں بھی معشوق سے رمز کے پردے میں گفتگو کا نہایت لطیف انداز نظر آتا ہے۔خاص طور پر غالب اس عہد میں ان سب کی نمائندگی کرتے نظر آتے ہیں۔ غالب کے کلام میں طنز کی جو پہلوداری اور مزاح کی انفرادیت ہے وہ آج تک کسی شاعر کے کلام میں دکھائی نہیں دیتی۔مزاح کی طرح غالب کے طنز اور شوخی کا دائرہ بھی بہت وسیع ہے۔غالب کے طنز اور مزاح کا نشانہ بننے والوں میں ہر کردار شامل ہے۔ یہاں تک کہ انھوں نے اپنے محبوب کو بھی نہیں بخشا:

؎ تم نہ آؤ گے،تو مرنے کی ہیں سو تدبیریں موت کچھ تم تو نہیں ہو کہ بلا بھی نہ سکوں ۱۵

اُردو کی طنزیہ اور روایتی عاشقانہ شاعری میں شوخی اور گہرے طنز کی ایسی مثال کہیں نہیں ملے گی۔غالب کے عہد میں کئی ظریف شعرا بھی موجود تھے۔حکیم آغا جان عیش غالب کے ہم عصر تھے۔حکیم صاحب کے حلقے میں عبدالرحمٰن ہد ہدالشعرا اور جناب اوج بھی تھے جو مزاح نگاری اوج پر نظر آتے ہیں۔شیخ باقر علی ردولوی بھی مزاح میں منفرد مزاج رکھتے تھے۔اُردو کے اولیں مزاح نگار مثلاً سودا، مصحفی،انشاء، چرکین اور جعفر زٹلی وغیرہ کے کلام میں جو ابتذال،رکاکت اور فحش نگاری نظر آتی ہے وہ حقیقت میں ان کے سماج کا حصہ تھیں۔میر جعفر زٹلی سے لے کر مرزا غالب تک بیچ کے تقریباً ہر بڑے شاعر کے ہاں ہمیں طنزیہ ومزاحیہ شاعری کا رجحان بہت نمایاں نظر آتا ہے اور ہر شاعر کا عہد بہت حد تک اس کا ذمہ دار بھی نظر آتا ہے۔یعنی ان شعرا کی شاعری میں موجود طنز ومزاح کی یہ لہر ان کے عہد، ماحول اور معاشرے کی دین ہے۔

۱۸۵۷ء کے بعد معاشرتی ،سیاسی اور تہذیبی لحاظ سے بہت سی تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ان تبدیلیوں کو اس عہد کی شاعری میں بخوبی دیکھا جاسکتا ہے۔ہندوستان کی عوام بالخصوص مسلمانوں کے حالات ناگفتہ بہ تھے۔ پہلے فارسی کی جگہ اُردو نے

لی تھی اب اُردو کی جگہ انگریزی کو مسلط کر دیا گیا تھا۔ ہندوؤں کو اکثریت قوم کی حیثیت سے آگے لایا گیا اور یہ ہی نہیں اُردو کی جگہ ہندی کی سرپرستی کی گئی ۔غدر کے بعد ملک کی مجموعی فضا بہت بدل گئی۔ جہاں انسانوں کی زندگیوں میں بہت کچھ بدل گیا وہیں زبان وادب کے مزاج بھی بدل گئے ۔طنز میں غصہ اور شدت آ گئی،مزاح نے تمسخر کی صورت اختیار کر لی اور شوخی،ضلع جگت اور پھبتی میں بدل گئی ۔انداز ہی نہیں موضوعات بھی بدل گئے ۔

انیسویں صدی کی آخری دہائیاں برصغیر کے مسلمانوں کے حق میں بڑی مردم خیز اور حوصلہ افزا ثابت ہوئیں۔اس عرصے میں ادب میں بڑی بڑی قد آور شخصیات پیدا ہوئیں جو آگے چل کر بلند مرتبہ شاعر،ادیب، عالم دین اور رہنمائے قوم ثابت ہوئیں۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کی حکومت،تحریک علی گڑھ اور اودھ پنچ کی تخلیق کا سبب بنیں۔ان تحریکوں کے تحت نظم ونثر میں بہت کچھ لکھا گیا مسلمانوں کو سرسیّد احمد خان،نواب محسن الملک،شبلی نعمانی، ڈپٹی نذیر احمد،مولوی ذکاء اللہ ،وقارالملک،مولانا حالی،عبدالحلیم شرر اور اکبرالہٰ آبادی جیسے ارباب علم وفن کی ادبی چھاؤں میسر آئی۔

سرسیّد احمد خان نے اُردو زبان کو علمی وادبی طور پر مستحکم کرنے اور مسلمانوں کی گرتی ہوئی ساکھ کو بحال کرنے کی کوشش کا آغاز کرتے ہوئے علی گڑھ تحریک کی بنیاد ڈالی۔علی گڑھ تحریک ایک فعال تحریک تھی اور اس کا ایک واضح نصب العین تھا مگر اس کی حد سے بڑھی ہوئی جدت پسندی اور مصلحت کوشی پر اس کے خلاف ردعمل کا اظہار ہوا اور سرسیّد کی تحریک ہی کے لوگوں نے ان کے نظریات کے خلاف آواز اٹھائی۔اس سلسلے میں مصنفین کے دو رویے سامنے آئے۔ایک حلقہ سنجیدہ ناقدین کا تھا اور دوسرا تیکھے طنز نگاروں کا۔اس تحریک کا وہ ردعمل جو طنز ومزاح کے لیے تازہ ہوا کا جھونکا اور نظم ونثر میں ایک نئی طرز کی بنیاد بنا وہ اودھ پنچ کا قیام تھا۔ اودھ پنچ لکھنؤ سے ۱۸۷۷ء میں منشی سجاد حسین کی زیر صدارت جاری ہوا اور تقریباً چالیس سال تک اپنے شگفتہ اسلوب،رنگین بیانی اور متنوع موضوعات کی بدولت طنز ومزاح کی آبرو بنا رہا۔ یہ ایک اعلیٰ درجے کا سیاسی اور ظرافتی پنچ تھا جس کے اجرا کا مقصد ملک کے سیاسی اور سماجی مسائل کو طنز ومزاح کے ذریعے اجاگر کرنا تھا۔اس کے لکھنے والوں میں منشی سجاد حسین ،اکبرالہٰ آبادی ،مچھو بیگ ستم ظریف، جوالا پرشاد برق اور سیّد محمد آزاد وغیرہ اہم ہیں۔ان مصنفین میں سرسیّد کے نظریات کے خلاف طعن وتشنیع، ہذل ،پھبتی اور ہجو کا انداز اختیار کیا۔ان شعرا اور نثر نگاروں کا رنگ ظرافت طنز کی زہرناکی لیے ہوئے تھا۔اودھ پنچ نے طنزیہ ومزاحیہ شاعری کی تعمیر وترقی میں نمایاں کردار ادا کیا اور شاعری میں اعلیٰ نمونے چھوڑے ہیں۔منشی سجاد حسین جو کہ ایک عمدہ نثر نگار تھے انہوں نے بھی طنزیہ ومزاحیہ شاعری کی عمدہ مثال پیش کی ان کے مشہور زمانہ کردار حاجی بغلول کی زبانی منشی سجاد کا یہ شعر عمدہ مثال ہے۔ لکھتے ہیں:

ے　اسٹیشن عدم کو چلے ہم فراق میں　　　جانی تمہارا ہجر ہمیں ریل ہوگیا [۱۶]

اودھ پنچ کے شعرا میں مچھو بیگ ستم ظریف،نواب سیّد محمد آزاد،مولوی عبدالغفور شہباز،منشی جوالا پرشاد برق،احمد علی شوق، تربھون ناتھ ہجر،ظریف لکھنوی،احمق پھپھوندوی،الانسان ضاحک ،احمد علی کسمنڈوی، ابولکمال،سیّد محمد علی،امید امیٹھوی، پیٹنٹ،ٹریڈ مارک اور اکبرالہٰ آبادی طنزیہ ومزاحیہ شاعری میں تخصص رکھتے ہیں۔اس عہد کی نمائندگی کرنے والے اودھ پنچ کے شعرا کے کلام کے چند نمونے ملاحظہ کیجیے۔مولوی عبدالغفور شہباز انگریزوں اور انگریزی کی بڑھتی ہوئی یلغار پر طنز کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

؎ پادری ولیم نے احمد سے کہا	لو پڑھو انجیل سے سیکھو تمیز
بولا احمد اس کی اب حاجت نہیں	پڑھ چکا ہوں میں صاحب مسٹریز ۱۷

طنز ومزاح کے اس رجحان کے زیر اثر ہمارے شعرا مختلف زبانوں کے تال میل سے نہایت دلچسپ شاعری تخلیق کر رہے تھے۔ جیسے کہ تر بھون ناتھ ہجر کی لطافت کے رنگ میں میں نظر آتا ہے:

؎ میرے ساقی چانڈو کا چھینٹا پلا	کہ ہستم اسیر کمندا ہوا
مزا کرکرا ہوگیا دے چرس	ندارِیم غیر از تو فریاد رس ۱۸

یہ وہ عہد تھا جب انسان کئی طبقاتی تفرقات میں بٹ چکا تھا ان میں من حیث القوم کوئی اتحاد نظر نہیں آتا تھا۔ پڑھے لکھے جاہلوں کی کثرت تھی اور خود پسندی حد سے بڑھی ہوئی تھی ایسے میں شعرا کے قلم سے طنز کے علاوہ کیا تحریر ہوگا۔ ایسی صورت حال کی عمدہ عکاسی اس شعر میں ملتی ہے:

؎ پڑھ کے انگریزی دماغ اس کا فلک پر ہوگیا	جانتا ہے خود کو باورچی کہ بٹلر ہوگیا
صحبت صالح میں رہ کر ہوئی اصلاح حال	میں گدھا تھا شیخ کے پاس آ کے خچر ہوگیا ۱۹

اودھ پنچ کی نمکین اور لطیف تحریروں کے خالق شعرا کے ساتھ ہمیں سنجیدہ شعرا کی بھی ایسی تعداد نظر آئی ہے جنہوں نے اس عہد کے تقاضوں اور ضرورت کو مدنظر رکھتے ہوئے طنزیہ ومزاحیہ شاعری کی۔ اس ضمن میں مولانا محمد حسین آزاد اور حالی کا نام بہت بڑی مثال ہے۔ آزاد گو کہ نثر نگاری کی حیثیت سے شہرت رکھتے ہیں مگر انہوں نے شاعری میں بھی طبع آزمائی کی ہے ان کی شاعری فکر انگیز، سنجیدہ اور پرانے رنگ کی ہے مگر انہوں نے اس میں بھی کہیں کہیں ظریفانہ طرز سخن اختیار کیا ہے اس میں شوخی کے ساتھ طنز کے رنگ بھی نمایاں ہیں مگر اس طنز میں تلخی اور چبھن محسوس نہیں ہوتی شوخی اور طنز کا ایک انداز دیکھیے:

؎ اٹھایا بار کتب خوب شیخ صاحب نے	پر ایک دم نہ ہوئی ایک یہ کہ سم نہ ہوئے
جہاں تھا معرکہ عشق شیخ بھاگے وہاں	پھر ایک سامنے کہنا کہ نوک دم نہ ہوئے ۲۰

اسی طرح حالی کی مسدس، قطعات اور غزلیات میں طنزیہ ومزاحیہ اشعار موجود ہیں خاص طور پر قطعات اور رباعیات میں ان کے طنزیات ومضحکات کے جوہر کھل کے سامنے آتے ہیں حالی کے بہترین طنز کی مثالیں شیخ، واعظ، زاہد، اور رند خراب کے حوالے سے ملتی ہیں۔ انہوں نے اپنے کلام میں نام نہاد شعرا پر بھی بڑے تیکھے طنز کیے ہیں۔ لکھتے ہیں:

؎ وہ شعر وقصائد کا ناپاک دفتر	عفونت میں سنڈاس سے جو ہے بدتر
گنہگار واں چھوٹ جائیں گے سارے	جہنم کو بھر دیں گے شاعر ہمارے ۲۱

اکبر الہٰ آبادی نے اُردو میں اعلیٰ درجے کی ظرافت نگاری کی بنیاد ڈالی اور ملت کو اپنی تہذیبی قدروں کا احساس دلایا۔ اکبر کے دو میں عشقیہ شاعری کے ساتھ ساتھ قومی شاعری کا بہت رواج ہوگیا تھا اس لیے وطنیت اکبر کی شاعری کا سب سے اہم محرک ہے اسی طرح طنز ومزاح کا بھی رجحان اس عہد میں دیکھنے میں آیا اکبر نے اپنی شاعری میں اس کو خصوصیت کے ساتھ برتا۔ ہندوستان کی سیاسی فضا میں جو انقلابی تبدیلیاں رونما ہوئیں اکبر نے ان پر بہت لکھا اور بے مثال لکھا۔ ملک میں انگریزی تعلیم اور مسلمانوں کی بگڑتی حالت پر طنز کرتے ہوئے اکبر لکھتے ہیں:

؎ کالج و اسکول و یونیورسٹی　قوم بیچاری اسی میں مرگئی ۲۲

ہند میں شیخ رہ گیا افسوس　اونٹ گنگا میں بہہ گیا افسوس

دیکھ کر ہم کو ایسے دلدل میں　راہ چلتا بھی کہہ گیا افسوس ۲۳

اکبراللہ آبادی طنزومزاح کے آسمان کے وہ روشن آفتاب ہیں جن کے کلام کی حسن خوبی کی چمک سے آج بھی لوگوں کی نگاہیں خیرہ ہیں۔انہوں نے ظرافت کی صنف کووقار، گہرائی اورمعنویت عطا کی ان کی شاعری درحقیقت مزاح کی اعلیٰ ترین قسم کا درجہ رکھتی ہے۔جعفرزٹلی، نظیرا کبرآبادی اوراکبرالہ آبادی اپنے اپنے عہد میں ایک رجحان ساز شعرا کی حیثیت رکھتے ہیں جن کی تخلیقات کی وجہ سے شاعری میں طنزومزاح کی روایت مضبوط ہوتی گئی ان شعرانے اپنے طرزسخن سے طنزیہ ومزاحیہ شاعری کواعتبار، وقاراوراستحکام بخشایہ وہ بنیادیں ہیں جن پرجدید طنزیہ ومزاحیہ شاعری کی عمارت تعمیر ہوئی۔۱۸۵۷ء کے بعد بالخصوص شاعری میں طنزومزاح اور بذلہ سنجی کے رواج فروغ پاگئے اور ہند کی مجموعی فضاطنزومزاح کے لیے نہایت زرخیز اورساز گار بن چکی تھی اس لیے معاشرے کی تیزی سے بدلتی ہوئی اقدار نے طنزومزاح کے رجحان کوفروغ دیا۔

۱۸۵۷ء سے ۱۹۴۷ء تک کا زمانہ سیاسی اورجغرافیائی تبدیلیوں کاشکاررہا۔طنزومزاح لکھنے والوں کےمحرکات تقسیم ہوگئے اورتقسیم ہند سے قبل اور بعد میں اُردو کی طنزیہ ومزاحیہ شاعری کے نئے موڑ سامنے آئے۔۱۸۵۷ء ۱۹۳۹ء تک انقلابی، ۱۹۳۹ء سے ۱۹۴۷ء تک انقلابی اورطنزیہ اور۱۹۴۷ء سے تاحال طنزیہ ومزاحیہ شاعری کے یہ رنگ عہد بہ عہد ہلکے اورگہرے ہوتے رہے۔ بیسویں صدی کے نصف آخر کے بعدطنزومزاحیہ شاعری زیادہ نکھری اورعصرحاضر میں اُردوشاعری میں مزاح کی روایت زیادہ توانا نظر آتی ہے۔

حواشی:

۱۔　فرقت کاکوروی۔اُردوادب میں طنزومزاح۔لکھنؤ:نسیم بک ڈپو،۱۹۵۷ء،ص:۲۳

۲۔　رؤف پاریکھ، ڈاکٹر۔اُردونثر میں مزاح نگاری کا سیاسی وسماجی پس منظر۔کراچی:انجمن ترقی اُردو،۱۹۹۷ء۔۱۹۹۶ء، ص:۳۹

۳۔　شکیل الرحمٰن۔امیر خسرو کی جمالیات۔نئی دہلی:موڈرن پبلشنگ ہاؤس،۱۹۹۶ء،ص:۱۲۴

۴۔　جمیل جالبی،ڈاکٹر۔تاریخ ادب اُردو (جلداوّل)۔لاہور:مجلس ترقی ادب،۲۰۰۲ء،ص:۴۸

۵۔　جعفرزٹلی۔کلیات میر جعفرزٹلی۔(مرتبہ) مولوی فرحت اللہ،بجنور: قاضی محمد رفیق پرنٹروپبلشرز،۱۹۲۵ء،ص:۶۴

۶۔　جمیل جالبی،ڈاکٹر۔تاریخ ادب اُردو (جلد دوم)۔لاہور:مجلس ترقی ادب،۲۰۰۲ء،ص:۵۴۶

۷۔　ظہورالدین حاتم، شیخ۔دیوان زادہ۔(مرتبہ)ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار، لاہور:مجلس ترقی ادب،طبع اوّل ۲۰۰۲ء، ص:۱۲۱

۸۔　قیام الدین قائم چاندپوری۔تذکرہ مخزن نکات۔(مرتبہ) پروفیسراقتداحسن، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز،۱۹۸۷ء، ص:۵۰

۹۔ میر، میر تقی۔کلیاتِ میر۔لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۸۷ء، ص: ۸۳۳
۱۰۔ سودا، مرزا محمد رفیع۔کلیاتِ سودا (جلد اول)۔(مرتبہ) شمس الدین۔لاہور: مجلس ترقی ادب، ۱۹۸۷ء، ص: ۴۲
۱۱۔ تبسم کاشمیری، ڈاکٹر۔اُردو ادب کی تاریخ۔لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۹ء، ص: ۴۱۰
۱۲۔ جرأت، قلندر بخش۔کلیاتِ جرأت۔(مرتبہ) محمد یعقوب۔لکھنؤ: مکتبہ کارنامہ فرنگی محل، طبع اوّل ۱۸۸۳ء، ص: ۱۳۷
۱۳۔ سلیم اختر، ڈاکٹر۔اُردو ادب کی مختصر ترین تاریخ۔لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۲ء، ص: ۴۲
۱۴۔ نظیر اکبر آبادی۔کلیاتِ نظیر (جلد دوم)۔(مرتبہ) رانا خضر سلطان۔لاہور: بک ٹاک، ۲۰۰۷ء، ص: ۲۸۳
۱۵۔ غالب، اسد اللہ خان۔دیوان غالب۔(مرتبہ) امتیاز علی خاں عرشی۔لاہور: مجلس ترقی ادب، طبع اوّل ۱۹۹۲ء، ص: ۱۴۴
۱۶۔ سرفراز شاہد، ڈاکٹر۔اُردو کی مزاحیہ شاعری۔اسلام آباد: اکادمی ادبیات پاکستان، اشاعت دوم ۲۰۰۷ء، ص: ۲۱
۱۷۔ عبداللہ قریشی، محمد۔'اُردو کے طنزیہ ومزاحیہ شاعر' مشمولہ نقوش طنز ومزاح نمبر (۷۱۔۷۲)۔لاہور: ادارہ فروغ اُردو، ۱۹۵۹ء، ص: ۳۲۱
۱۸۔ ایضاً، ص: ۲۸۲
۱۹۔ ایضاً، ص: ۸۰۵
۲۰۔ آزاد، مولانا محمد حسین۔کلیاتِ نظم آزاد۔(مرتبہ) ڈاکٹر محمد ہارون قادر۔لاہور: الوقار پبلی کیشنز، ۲۰۱۰ء، ص: ۱۱۷
۲۱۔ حالی، مولانا الطاف حسین۔کلیاتِ نظم حالی (جلد دوم)، (مرتبہ) ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی، لاہور: مجلس ترقی ادب، ۱۹۶۷ء، ص: ۱۲۴
۲۲۔ فرمان فتح پوری، ڈاکٹر۔اُردو کی ظریفانہ شاعری۔دہلی: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، ۱۹۹۲ء، ص: ۱۷
۲۳۔ اکبر الٰہ آبادی۔کلیاتِ اکبر۔کراچی: پنجاب پبلشرز، (س ن)، ص: ۲۳۴